Psychology in The Fictional Criticism Of Dr.Saleem Akhtar

ڈاکٹر سلیم اختر کی افسانوی تنقید میں نفسیات

Dr. Muhammad Abubakar Farooqi*[1]
Lecturer Urdu,Department of Urdu, University Of Gujrat.
Hina Maalik*[2]
Lecturer Urdu, Department of Urdu, University Of Gujrat.

1☆ڈاکٹر محمد ابو بکر فاروقی
لیکچرار، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف گجرات
2☆حنا مالک
لیکچرار، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف گجرات

Correspondance: dr.m.abubakar@uog.edu.pk

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 23-04-2025
Accepted:25-06-2025
Online:30-06-2025

Copyright:© 2023 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT: Dr. Saleem Akhtar is one of the most distinguished figures in Urdu literary criticism, particularly known for introducing and developing psychoanalytical approaches within the field. This paper explores his critical methodology with a special focus on his psychoanalytical interpretation of Urdu short stories. It highlights how Saleem Akhtar, through a deep engagement with the subconscious motives of characters and the internal world of writers, offers a nuanced understanding of fiction that transcends the limitations of traditional academic criticism, often labeled as "madrasana tanqeedi rivaayat" (pedagogical criticism). While acknowledging that psychoanalysis alone cannot offer a complete interpretation of literary texts, the paper argues that Akhtar's approach allows access to the unseen psychological dimensions of narratives. It also reflects on the distinctions between pedagogical and scholarly criticism in Urdu, using examples from other critics, and situates Saleem Akhtar's contributions within the broader discourse of literary theory in South Asia.

KEYWORDS: Saleem Akhtar, Psychoanalytical Criticism, Urdu Short Story, Psychological Approach, Madrasana Tanqeedi Rivaayat, Urdu Literary Criticism, Character Analysis, Subconscious in Literature

اردو تنقید کو نفسیاتی جہات سے جن ناقدین نے آشنا کیا ان میں سلیم اختر ایک اہم نام ہیں۔ اور فکشن کی تنقید میں خاص طور پر سلیم اختر کو واحد معتبر نفسیاتی نقاد کہا جا سکتا ہے۔ انہوں نے اردو افسانے کے نفسیاتی مطالعے جس تواتر اور تندہی سے کیے ہیں اس کی کوئی دوسری مثال پیش کرنا مشکل ہے۔ اسی لیے کہا جا سکتا ہے کہ سلیم اختر کا بنیادی تنقیدی رویہ نفسیاتی ہوتا ہے۔ گو یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ صرف نفسیاتی تنقید سے کسی فن پارہ کی تفہیم نہ ممکن ہے اور نہ مکمل مگر اس سے فن کار کے داخل اور کرداروں کے باطن میں اترنے کا موقع ضرور ملتا ہے جس سے فن پارہ کی ان دیکھی دنیا سے آگہی ضرور ہوتی ہے۔ اور یہ ہی جہت (نفسیاتی) سلیم اختر کی تنقید کو "خالص مدرسانہ تنقید" سے بڑی حد تک بچا لے جاتی ہے۔

ہمارے ہاں جو "مدرسانہ تنقید" کے مباحث ہیں ان میں عام طور پر ایک طرف تو کسی "مدرس" کی لکھی ہوئی تنقید کو مدرسانہ تنقید کہا جاتا ہے اور دوسری طرف تدریسی ضرورتوں یا نصاب میں شامل موضوعات اور تخلیق کاروں پر لکھی ہوئی تنقید کو مدرسانہ تصور کیا جاتا ہے۔ جب کہ غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اس ذیل میں حقیقت محض اتنی نہیں۔ کیوں کہ یہ ممکن ہے کہ ایک "مدرس" تنقید لکھے اور وہ مدرسانہ تنقید نہ ہو مثلاً حسن عسکری اور گوپی چند نارنگ جیسے ناقدین کی تنقید ان کے مدرس ہونے کے باوجود "مدرسانہ تنقید" کی ذیل میں نہیں آتی۔ جب کہ ایک غیر مدرس نقاد کی تنقید "مدرسانہ تنقید" ہو سکتی ہے۔ مثلاً انور سدید کی بیش تر تنقید غیر مدرس ہونے کے باوجود تدریسی نوعیت کی ہے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ نصاب میں شامل موضوعات یا شخصیات پر لکھی ہوئی تنقید ضرور "مدرسانہ تنقید" کے زمرہ میں آئے۔ مثلاً میر تقی میر پر حسن عسکری کے مضامین اس ذیل میں نہیں آسکتے جب کہ سید عبداللہ اور فرمان فتح پوری کی میر تقی میر پر کتابیں بلا شبہ تدریسی تنقید کی مثالیں ہیں۔ پھر یہ کہ "مدرسانہ تنقید" کی اپنی ایک اہمیت اور ضرورت ہے۔ جس سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی کسی ادب میں مدرسانہ تنقید کے بغیر عالمانہ تنقید پیدا کی جا سکتی ہے۔

بہر حال سلیم اختر کی تنقید جس کا غالب رجحان تدریسی ہے (جو نقاد کا کوئی قابل ذکر عیب نہیں۔ یہ بات الگ کہ عالمانہ تنقید کو بہر حال تدریسی تنقید پر فوقیت ضرور حاصل ہے) علم نفسیات سے متعلق ہونے کی وجہ سے فکر و نظر کو نئے زاویوں سے روشناس کرانے میں معاون ہے۔ مثلاً ان کا ایک مضمون "افسانوی تنقید کا نفسیاتی مطالعہ" بلا شبہ خاصے کی چیز ہے اور افسانے پر لکھے جانے والے اردو کے بہترین علمی اور تنقیدی مضامین میں شامل کیے جانے کے لائق ہے۔ اس میں ایک جگہ سلیم اختر لکھتے ہیں:

"تلازمہ اور شعور کی رو سے پہلے افسانوی تکنیک میں بالعموم اور پلاٹ کی تشکیل میں بالخصوص نظم و ضبط کا اور ترتیب و توازن کا کچھ ضرورت سے زیادہ ہی لحاظ رکھا جاتا تھا جس کے نتیجے میں کردار، واقعات کی سیڑھی پر مصنف کی انگلی پکڑے آرام سے چڑھتے جاتے چناں چہ کردار نگاری کا ایک مخصوص انداز مقرر ہو چکا تھا۔ ابتدا میں کردار کا تعارف کرایا جاتا اور کرداری خصائص بیان ہوتے۔۔۔ یوں ان کی روشنی میں کردار ابھارا جاتا۔۔۔ علاوہ ازیں واقعات کے بیان میں کیوں کہ زمانی تسلسل اور ترتیب کو ملحوظ رکھا جاتا تھا اس لیے کہانی کی اساس پلاٹ پر استوار تھی، کہانی میں پلاٹ ریڑھ کی ہڈی تھا۔ اس میں جھول عیب اور بغیر پلاٹ کے کہانی کفر! تلازمہ اور شعور کی رو نے اگر ایک طرف پلاٹ پر کاری ضرب لگائی تو دوسری طرف کردار نگاری کا روایتی انداز یکسر بدل دیا۔۔۔ اب واقعات کا زمانی تسلسل ضروری نہ رہا۔۔۔ کردار کی سوچ کو واقعات پر فوقیت دے کر ذہنی ڈرامہ کو خارجی واقعات کا مظہر قرار دے دیا"۔(۱)

یعنی پرانی کہانیوں میں کرداروں کے عمل یا واقعات کے تانے بانے کو اہمیت دی جاتی تھی لیکن اب اس کے برعکس نفسی واردات سے جنم لینے والی داخلی کش مکش اور باطنی کیفیات کی عکاسی کو مقصود فن سمجھا جانے لگا۔ لہٰذا اب نقطۂ عروج جو پلاٹ کا سب سے اہم حصہ تصور ہوتا ہے، محض واقعات کو الجھا دینے سے جنم نہیں لیتا بل کہ بقول سلیم اختر "خود کرداروں کی داخلی کش مکش نقطۂ عروج کا باعث بنتی ہے"۔(۲) اور اس کے لیے سلیم اختر "نفسی نقطۂ عروج" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ سلیم اختر کے ہاں، پرانی کہانیوں سے مراد داستانوی اور قدیم ناولوں کی کہانیاں ہیں۔ جدید نفسیات کا عمل دخل اور نفسی کیفیات کا بیان انہیں پریم چند کے ہاں سے نظر آتا ہے۔ اسی لیے وہ لکھتے ہیں:

"افسانوں میں پریم چند نے شعوری طور سے اس کا التزام روا رکھا کہ کرداروں کی نفسی کیفیات سے نقطۂ عروج جنم لے چناں چہ ان کے "زیور کا ڈبہ" ایسے عام افسانے سے لے کر 'کفن' ایسے کامیاب افسانہ تک میں نقطۂ عروج کی کامیاب مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں۔ پریم چند کے بعد منٹو، عصمت، بیدی اور ندیم کے افسانوں میں نفسی نقطۂ عروج کا کامیاب مظاہرہ ملتا ہے"۔(۳)

اس کے بعد وہ فطری اور نفسیاتی کردار نگاری میں باریک مگر اہم فرق کی وضاحت کرتے ہیں اور کامیاب کردار کا معیار "نفسیاتی ہونا" قرار دیتے ہیں۔ ان کی اس وضاحت سے منٹو کے افسانے "ہتک" کی سوگندھی کے کردار پر عابد علی عابد کا اعتراض بھی رفع ہو جاتا ہے۔ لکھتے ہیں:

"ہر فطری کردار کا نفسیاتی ہونا ضروری نہیں۔ اس لیے کامیاب کردار کا معیار اس کا محض فطری ہونا نہیں۔ بل کہ نفسیاتی ہونا قرار پاتا ہے۔ یہ ہی نہیں نفسیاتی کردار میں فطری کردار کی خصوصیات بھی ملتی ہیں اگر اس لطیف فرق کو ملحوظ رکھا جاتا تو عابد علی عابد صاحب کبھی بھی اعتراض نہ کرتے کیوں کہ سوگندھی کا کردار اگر محض فطری ہوتا تو وہ گاہک کے طرزِ عمل سے کبھی بھی ہتک محسوس نہ کرتی"۔ (۴)

لہٰذا اسی بنیاد پر وہ نفسیاتی افسانہ کی تعریف ان الفاظ میں وضع کرتے ہیں:

> "جب افسانہ نگار لاشعوری محرکات کے ذریعہ کرداری بوالعجبیوں اور بعض کج رویوں کا مطالعہ کر کے نفسی پیچیدگیوں کی گرہیں کھولے اور سائیکی کے طلسم خانہ کو منور کر لیں تو ایسا افسانہ نفسیاتی افسانہ ہو گا۔ اسی معیار کے مطابق افسانوں کا جائزہ لیں تو ممتاز مفتی کے بیش تر افسانے اور منٹو اور عصمت کے بعض افسانے بہت اچھی مثالیں ہیں"۔ (۵)

لیکن سلیم اختر یہ تعریف پیش کرنے کے بعد اس ضمن میں احتیاط کو لازم قرار دیتے ہیں کیوں کہ اگر افسانہ نگار شعوری کوشش اور غیر ضروری طور سے افسانے کو نفسیاتی بنائے تو پھر یہ افسانہ، افسانہ بننے کی بجائے کیس ہسٹری میں تبدیل ہو جائے گا جو یقیناً غیر تخلیقی پن کا اظہار ہو گا، جسے قبول نہیں کیا جا سکتا۔

سلیم اختر اردو تنقید کے ان ناقدین میں سے ہیں جو ابلاغ سے عاری اور بے معنی اظہار کو احسن تخلیقی رویہ نہیں سمجھتے۔ اس لیے وہ ایسی تخلیقات کو ستائش کی نظر سے نہیں دیکھتے جو قاری تک اپنا ابلاغ نہ کریں چاہے ان میں کیسا ہی نفسیاتی تجربہ اور نفسی کیفیت کا بیان کیوں نہ کیا گیا ہو۔ اس ضمن میں سلیم اختر کا موقف دوٹوک ہے۔ لکھتے ہیں:

> "بعض لکھنے والوں نے اس (آزاد تلازمہ اور شعور کی رو کے) انداز کو اگر اپنایا تو مقصد تجربہ کی سنسنی خیزی تھا اور ایسی ژولیدگی پیدا کی کہ کسی کے پلے بھی کچھ نہ پڑے۔ ایسی تخلیقات کو خود کلامی سمجھ کر خود کہانی کار کے نفسی تجربہ کے لیے تو استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن اگر قاری تک کسی بات کا ابلاغ نہیں ہو پاتا تو پھر ایسے نفسیاتی تجربات بے سود ہوتے ہیں۔ نفسیات انسان کے مطالعہ کا نام ہے اور ادب میں بھی نفسیات سے یہ ہی کام لیا جانا چاہیے لیکن اگر نفسیات کے زیر اثر لکھی جانے والی تحریر ابلاغ سے عاری محض بے معنی اظہار ہو تو ایسی نفس بینی کس کام کی؟"(۶)

سلیم اختر "جدید" یا "جدیدیت" کا اضافی تصور رکھتے ہیں۔ وہ صرف و محض علامتی اور تجریدی افسانے کو "جدید افسانہ" نہیں سمجھتے بل کہ ہر دور کے اس فن کار کو جدید خیال کرتے ہیں جو ہیئت اور اسلوب کے نئے نئے تجربے کرتا ہو۔ اسی لیے ان کا کہنا ہے کہ:

> "جدید کی اصطلاح اضافی ہے چناں چہ جس عہد میں بھی افسانہ میں ہیئت اور اسلوب کے تجزیے کیے گئے اس عہد کا افسانہ 'جدید' قرار پایا یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے اپنے رومانی معاصرین کے مقابلہ میں سعادت حسن منٹو۔ اس لیے آج کے چند لکھنے والوں کو جدید قرار دینے کا یہ مطلب نہیں کہ گذشتہ نصف صدی کے تمام افسانہ نگار خود بخود ہی قدیم ہو کر متروک قرار پا گئے"۔ (۷)

نفسیات سے متعلق ہونے کی وجہ سے ان کے افسانوی تجزیوں میں جنس اور عورت خاص موضوع رہے ہیں۔ اس ضمن میں ان کے مضامین "اردو کا پہلا جنسی افسانہ"، "اردو افسانے میں عورت" اور "بغاوت کا استعارہ۔ منٹو" قابل ذکر ہیں۔ یلدرم کے افسانہ "خارستان و گلستان" کو انہوں نے اردو کا پہلا جنسی افسانہ قرار دیا ہے اور اس افسانے کا عمدہ تجزیہ پیش کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اس کا "موضوع جنسی جبلت کی قوت ہے"۔ (۸) یلدرم کے اس افسانے کا مطالعہ، سلیم اختر کی اس بات کی تائید کرتا ہے۔ بلاشبہ یہ افسانہ جنسی جبلت کا اظہاریہ ہے۔ اور اگر صاف لفظوں میں کہا جائے تو اس کا موضوع جنس، جنسی بیداری اور تجربۂ وصل ہے"۔ (۹) اور پھر یہ بھی کہ سلیم اختر نے یلدرم کے اس افسانہ کو طبع زاد تحریر سمجھ کر مطالعہ کیا ہے کیوں کہ بقول یلدرم "بہت کچھ تصرف کیا ہے"۔ (۱۰)

اس افسانے کے تجزیہ سے سلیم اختر نے ان ناقدین کے تصورات کو باطل قرار دیا ہے جو "خیالستان" کو اسلوب کی رنگینی کی بنا پر رومانی تصنیف قرار دیتے ہیں۔ اور آخر میں یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ جب اردو افسانہ کی ابتدا میں ہی جنس موضوع بن چکی تھی تو پھر بعد میں یہ موضوع ٹیبو کیوں بنا؟ اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

> "میری دانست میں اس کی ذمہ داری بھی کسی حد تک یلدرم پر عائد ہوتی ہے۔۔۔ سر سید کی اصلاحی کوششوں اور نذیر احمد کے تعلیمی ناولوں کے بعد 'جنس' پر افسانہ لکھنا خاصہ دشوار لگا ہو گا سو اس کی خطرناکی کو رنگین اسلوب سے کیمو فلاج کرنے کی سعی کی گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قارئین تشبیہات اور استعارات میں گم ہو گئے۔۔۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اردو افسانہ میں جنس کو ایک اہم موضوع کی حیثیت سے تسلیم کرانے کی بدنامی منٹو، عصمت اور دیگر ترقی پسند افسانہ نگاروں کے مقدر میں آئی۔ یوں جنسی افسانہ کے مخالفین اس حقیقت سے بے خبر رہے کہ اردو افسانہ نگاری کے ابتدائی دور کا

ایک بہت ہی اہم افسانہ جنس کے موضوع پر تھا گو اسلوب کی بنا پر 'خارستان و گلستان' اردو افسانہ میں جنس کی روایت کے فروغ کا باعث نہ بن سکا لیکن پھر بھی اسے اردو کا پہلا جنسی افسانہ قرار دیا جا سکتا ہے"۔(۱۱)

منٹو کی جنس نگاری پر بھی سلیم اختر نے نہایت عمدہ تنقیدی رائے قلم بند کی ہے۔ اگرچہ اب یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ منٹو کی افسانوی حیثیت محض جنس نگاری کی بنیاد پر نہیں مگر منٹو کا ایک اہم موضوع جنس ضرور ہے اس سے انکار ممکن نہیں۔ اس لیے مختلف ناقدین نے منٹو کی جنس نگاری کو صحیح خطوط پر پرکھنے کی کوشش کی ہے ان میں سلیم اختر کا نام بھی شامل ہے جو منٹو کے مطالعے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ:

"۔ منٹو کے افسانوں میں جنس عام زندگی سے منقطع کوئی جداگانہ وقوعہ نہیں بل کہ یہ منٹو کی جینیئس کا کمال ہے کہ اس نے جنس کے حوالہ سے زندگی کو سمجھا اور سمجھایا۔ جنس اس کے لیے حیاتیاتی سانحہ یا حالات کے پس منظر اور پیش منظر سے الگ کوئی حادثہ نہیں۔"(۱۲)

اپنے مضمون "اردو افسانے میں عورت" میں انہوں نے اردو کے معروف افسانوں کے نسوانی کرداروں کا نفسیاتی تجزیہ پیش کیا ہے۔ اس کے لیے انہوں نے پریم چند کے افسانے "وفا کی دیوی" اور "مس پدما"، علی عباس حسینی کا افسانہ "میلہ گھومنی"، بیدی کا "کوکھ جلی"، حسن عسکری کا "حرام جادی"، عصمت کا "لحاف"، منٹو کا "ہتک"، ممتاز مفتی کا "آپا"، احمد ندیم قاسمی کا "سناٹا"، قرۃ العین حیدر کا "پت جھڑ کی آواز"، مرزا ادیب کا "مائی بھاتاں" اور خدیجہ مستور کے افسانہ "راستہ" کا انتخاب کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سلیم اختر کے یہ مطالعے، تجزیے کا حق ادا کرتے ہیں مگر انوار احمد کا یہ اعتراض بھی درست دکھائی دیتا ہے کہ:

"وہ (سلیم اختر) پریم چند کے افسانوں کے نمائندہ نسوانی کرداروں میں ملیا (وفا کی دیوی) اور مس پدما (مس پدما) کو منتخب کرتے ہیں۔۔۔ حالاں کہ آشا (نئی بیوی)، رام پیاری (مالکن) اور بوڑھی کاکی (بوڑھی کاکی) شاید پریم چند کے بہتر نسوانی نمائندے ہیں، اسی طرح ان کی طویل فہرست میں سے قدرت اللہ شہاب کی ماں جی (ماں جی) اور ممتاز شیریں کی نانی اماں (آئینہ) کا غائب ہونا تعجب خیز ہے"۔(۱۳)

بہر حال سلیم اختر کا اپنے اس انتخاب سے متعلق جواز ہمیں ان کے درج ذیل اقتباس سے فراہم ہوتا ہے جہاں وہ لکھتے ہیں:

"ان میں سے ہر ایک افسانہ میں عورت کی فطرت کے کسی پہلو کو فن کارانہ چابک دستی سے یوں اجاگر کیا گیا ہے کہ ایک طرف تو اگر وہ بحیثیت مجموعی متاثر کرتی ہے تو دوسری طرف کسی نہ کسی سماجی طبقہ کی علامت بھی بن جاتی

ہے اور یوں یہ افسانے اچھے خاصے موزیک کی صورت اختیار کر لیتے ہیں جس سے پاک وہند کی عورت کی تصویر ابھرتی ہے اگر یہ تصویر تمام جزئیات میں مکمل نہ معلوم ہو تو اس کا جواب یہ ہی ہو سکتا ہے کہ نظر افروز ہوتے ہوئے بھی عورت رنگ بدلتی ہے"۔(۱۴)

سلیم اختر کی تنقید کا بنیادی سروکار اگرچہ نفسیات ہی ہے مگر وہ افسانوں کو سماجی اور عمرانی نقطۂ نظر سے بھی دیکھتے ہیں اور خاص طور پر اردو افسانہ کو عصری زندگی سے وابستہ اور اس کا عکاس سمجھتے ہیں۔ حتٰی کہ ان کا یہاں تک کہنا ہے کہ "ہماری تاریخ کے ہر موڑ پر ہماری تہذیب کی ہر کروٹ پر اور ہمارے تمدن کے ہر تغیر پر کہانی نے زندگی کا ساتھ دیا ہے"۔(۱۵)

ہمارے کچھ ناقدین کا اردو افسانہ پر ایک اعتراض یہ ہے کہ اردو افسانے میں ساری دین یورپی زبانوں کے افسانوں کی ہے۔ یعنی ہمارے افسانہ نگار، یورپی افسانہ نگاروں کی تقلید کرتے ہیں اور مختلف مغربی تحریکوں اور مصنفوں کے زیر اثر افسانے تخلیق کرتے ہیں۔ اور صرف اسلوب اور تکنیک ہی نہیں بل کہ موضوعات بھی مغرب سے مستعار لیے جاتے ہیں۔ اگر فیشن زدگی کا شکار اور مغرب کی طرف تقلیدی رویہ رکھنے والے افسانہ نگاروں کو ایک طرف کر دیا جائے تو تخلیقی افسانہ نگاروں سے متعلق یہ اعتراض درست نہیں۔ ایسے میں سلیم اختر کا موقف بڑا سنبھلا ہوا اور حقیقت پر مبنی ہے۔ وہ ایسے ناقدین کی آرا کو جھٹلاتے ہیں اور لکھتے ہیں:

"ہمارے افسانہ نگاروں نے تکنیک اور اسلوب کے ضمن میں کیے گئے تجربات کے لیے بے شک باہر سے انسپریشن حاصل کیا مگر جہاں تک افسانہ کے موضوعات یا زندگی کے مسائل پر روشنی ڈالنے کا تعلق ہے یا عصری زندگی سے وابستہ حوادث اور وقوعات کے تجزیہ کا تعلق ہے تو سب افسانہ نگار روح عصر کے تابع نظر آتے ہیں چناں چہ ہمارے قابل ذکر افسانہ نگاروں میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس نے اپنے افسانوں کو معاشرہ کا آئینہ نہ بنایا ہو، معاشرہ کے داخلی تضادات اجاگر نہ کیے ہوں اور افراد کی کرداری منافقت واضح نہ کی ہو اور یہ ہی اصل اور بنیادی بات ہے یوں دیکھیں تو ہمارا افسانہ اپنی دھرتی پر قائم اور ثابت نظر آتا ہے اور اسی میں اردو افسانہ کی انفرادیت اور اہمیت مضمر ہے"۔(۱۶)

مجموعی طور پر ڈاکٹر سلیم اختر نے اردو افسانے کی تنقید کو نفسیاتی شعور سے متصف کیا اور اس ذیل میں سب سے بڑی خوبی جو ان کی تنقید میں نظر آتی ہے اس کی طرف ارتضٰی کریم نے ان الفاظ میں توجہ دلائی ہے۔ لکھتے ہیں:

"وہ (سلیم اختر) افسانے میں کردار کی نفسیاتی تحلیل پر زور دیتے ہیں۔ لیکن اس کی عدم موجودگی میں کسی افسانہ کو 'غیر افسانہ' نہیں کہتے۔ بل کہ ان کے نزدیک ہر نوعیت کے افسانے کی گنجائش ہے اگر اس میں فن کا لحاظ باقی ہے۔ عموماً کسی خاص مکتب فکر کے ناقدین دوسرے زاویۂ نگاہ کے حامل فن پاروں کو حقارت سے دیکھتے ہیں۔ لیکن سلیم اختر جن کا تعلق تنقید کے نفسیاتی دبستان سے ہے، ادب کے دوسرے دبستانوں کو بھی قابل اعتنا سمجھتے ہیں۔ اسے بہ یک جنبش قلم رد نہیں کرتے"۔ (۱۷)

ڈاکٹر سلیم اختر اردو ادب کے اہم نقاد ہیں ۔ انھوں نے نفسیاتی تنقید کو اپنی تحریروں کا موضوع بنایا ہے،یہی وجہ ہے کہ انھوں نے افسانے کی تنقید میں بھی نفسیات کے تناظر کو مدِ نظر رکھا ہے اور کرداروں کے شعور،تحت الشعور اور لا شعور میں جھانکنے کی کوشش کی ہے جس سے ان کے داخلی تضادات سامنے آئے ہیں۔ انھوں نے اردو ادب میں اپنے آپ کو نفسیاتی نقاد کے طور پر منوایا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ سلیم اختر ، ڈاکٹر ،فسانوی تکنیک کا نفسیاتی مطالعہ ، مشمولہ :افسانہ اور افسانہ نگار، لاہور :سنگ میل پبلی کیشنز،۱۹۹۱ء،ص:۱۸

۲۔ ایضاً،ص:۱۶

۳۔ ایضاً،ص:۱۶

۴۔ ایضاً،ص:۲۲ تا ۲۳

۵۔ بحوالہ ارتضیٰ کریم،اردو فکشن کی تنقید،لاہور: کتاب دنیا،۱۹۹۹ء،ص:۴۳۹

۶۔ سلیم اختر،ڈاکٹر،افسانوی تکنیک کانفسیاتی مطالعہ، مشمولہ:افسانہ اور افسانہ نگار،ص:۱۹

۷۔ ایضاً،جدید افسانہ، مشمولہ ایضاً،ص:۵۸

۸۔ ایضاً،اردو کا پہلا جنسی افسانہ،مشمولہ:افسانہ اور افسانہ نگار،ص:۹۱

۹۔ اورنگ زیب عالم گیر،ڈاکٹر، سجاد حیدر یلدرم: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ ،لاہور: سنگت پبلشرز،۲۰۰۵ء، ص: ۷۴

۱۰۔ بحوالہ مبارز الدین رفعت، سید: 'خیالستان پر ایک نظر، مشمولہ: خیالستان، از سجاد حیدر یلدرم، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء، ص:۱۴

۱۱۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو کا پہلا جنسی افسانہ، مشمولہ: افسانہ اور افسانہ نگار، ص:۹۸

۱۲۔ ایضاً، بغاوت کا استعارہ۔ منٹو، مشمولہ: ایضاً، ص:۱۴۹

۱۳۔ انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانوی ادب کی تنقید میں ڈاکٹر سلیم اختر کا مقام، مشمولہ، یک جا، ملتان، بیکن ہاؤس، ۱۹۹۷ء، ص:۱۵۰

۱۴۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو افسانہ میں عورت، مشمولہ: فسانہ اور افسانہ نگار، ص:۱۰۵

۱۵۔ ایضاً، ادب اور عصری آگہی۔ افسانہ، مشمولہ: ایضاً، ص:۲۶

۱۶۔ ایضاً، جدید افسانہ، مشمولہ: ایضاً، ص:۵۷

۱۷۔ ارتضیٰ کریم، ڈاکٹر، اردو فکشن کی تنقید، ص:۴۴۱ تا ۴۴۲

References:

1. Akhtar, Dr. Saleem. *A Psychological Study of Fictional Technique*, in: *Afsana aur Afsana Nigaar*. Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1991, p. 18.
2. Ibid., p. 16.
3. Ibid., p. 16.
4. Ibid., pp. 22–23.
5. Cited in: Kareem, Irtiza. *Urdu Fiction ki Tanqeed*. Lahore: Kitab Dunia, 1999, p. 439.
6. Akhtar, Dr. Saleem. *A Psychological Study of Fictional Technique*, in: *Afsana aur Afsana Nigaar*, p. 19.
7. Ibid., "Jadeed Afsana", in: Ibid., p. 58.
8. Ibid., "Urdu ka Pehla Jinsi Afsana", in: *Afsana aur Afsana Nigaar*, p. 91.
9. Alamgir, Dr. Aurangzeb. *Sajjad Haider Yildirim: A Research and Critical Study*. Lahore: Sangat Publishers, 2005, p. 74.

10. Cited in: Rifat, Syed Mubarzuddin. "A View on Khayalistaan", in: *Khayalistaan* by Sajjad Haider Yildirim. Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1996, p. 14.
11. Akhtar, Dr. Saleem. "Urdu ka Pehla Jinsi Afsana", in: *Afsana aur Afsana Nigaar*, p. 98.
12. Ibid., "Baghawat ka Isti'ara – Manto", in: Ibid., p. 149.
13. Ahmed, Dr. Anwar. "The Role of Dr. Saleem Akhtar in the Criticism of Urdu Fiction", in: *Yak Ja*. Multan: Beacon House, 1997, p. 150.
14. Akhtar, Dr. Saleem. "Women in Urdu Fiction", in: *Afsana aur Afsana Nigaar*, p. 105.
15. Ibid., "Adab aur Asri Aagahi – Afsana", in: Ibid., p. 26.
16. Ibid., "Jadeed Afsana", in: Ibid., p. 57.
17. Kareem, Dr. Irtiza. *Urdu Fiction ki Tanqeed*, pp. 441–442.

Bibliography

Ahmed, Anwar. *The Role of Dr. Saleem Akhtar in the Criticism of Urdu Fiction*. In *Yak Ja*. Multan: Beacon House, 1997.

Akhtar, Saleem. *Afsana aur Afsana Nigaar*. Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1991.

Alamgir, Aurangzeb. *Sajjad Haider Yildirim: A Research and Critical Study*. Lahore: Sangat Publishers, 2005.

Kareem, Irtiza. *Urdu Fiction ki Tanqeed*. Lahore: Kitab Dunia, 1999.

Rifat, Syed Mubarzuddin. "A View on Khayalistaan." In *Khayalistaan*, by Sajjad Haider Yildirim. Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1996.